ہمارے ناقدین نے جاسوسی ادب کو درخورِ اعتنا
نہیں سمجھا لیکن اس حقیقت سے وہ بھی انکار
نہیں کرتے کہ برصغیر میں ابنِ صفی کے سوا کوئی
ایسا مصنف نہیں گزرا جس نے اپنی تخلیقات سے
اپنی ہی زندگی میں تین نسلوں کو یکساں طور پر
متاثر کیا ہو۔

ابنِ صفی اور دامن

محمد بدر منیر

اُستاد دامن کے بارے میں یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ بڑے انسان تھے یا بڑے شاعر۔ جن لوگوں نے انہیں صرف سُنا ہے ان کے لیے وہ فی الواقع پنجابی زبان کے بڑے شاعر تھے، جنہوں نے اُنہیں صرف دیکھا ہے ان کے نزدیک وہ ایک پہلوان تھے اور جنہوں نے انہیں دیکھا بھی ہے اور سُنا بھی ہے ان کے نزدیک یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ وہ بڑے شاعر تھے یا بڑے انسان تھے۔

میں نے اُستاد دامن کو سب سے پہلے حزبِ اختلاف کے ایک جلسۂ عام میں سُنا، پنجاب اسمبلی کے انتخابات (۱۹۵۱ء) میں ہو رہے تھے، اور غالباً اگلے ہی دن پولنگ ہونے والی تھی۔ اندرون دہلی دروازہ کے ایک جلسے میں آغا شورش کاشمیری مہمانِ مقرر تھے۔ اُستاد نے اس جلسے میں اپنی مشہور نظم سُنائی جس کے ٹیپ کا بند درج ذیل شعر تھا۔

وچوں وچوں کھائی جاؤ۔ تے اُتوں رولا پائی جاؤ

اسی نظم نے جلسہ کے حاضرین کو لاہور کی گلابی سردی کے باوجود آغا شورش کی تقریر کا انتظار کرنے پر رضامند کر لیا۔ استاد کو میں نے اُس دن پہلی بار سُنا تھا اور دیکھنے کا اتفاق بیس سال کے بعد ہوا جب لاہور کے ایک مردِ درویش اور مزدور ادیب قمر یورش مجھے اُستاد کے پاس اُن کے آشیانے پر لے گئے۔ اُستاد اِن دنوں شاہی مسجد کے پڑوس میں رہا کرتے تھے۔ وہ خود کو اللہ میاں کا پڑوسی کہا کرتے تھے لیکن دُنیا دار لوگ ہیرا منڈی کی قُربت کے باعث اُنہیں گناہ گاروں کا پڑوسی کہتے تھے، اُنہیں ملنے کے خواہش مندوں میں دونوں طرح کے لوگ شامل تھے، پرہیزگار لوگ بالعموم شاہی مسجد کی طرف سے اُن کے آشیانے پر جاتے اور دُنیا دار ایروز سینما کی طرف سے اپنا رُخ تبدیل کرتے۔ راقم الحروف نے ایک تیسرا راستہ دریافت کیا تھا اور وہ اسپتال کی جانب سے۔ اس میں صرف ایک مصلحت کو دخل تھا اور وہ تھا کرائے اور فاصلے کی بچت۔ اُستاد سے اکثر ملاقات رہا کرتی، کبھی کبھی وہ چینیز لنچ ہوم آ جاتے تو کبھی مجھے ان کے آشیانے پر حاضری کا شرف حاصل ہوتا، کبھی تنہا تو کبھی قمر یورش کے ہمراہ۔

اگر کھانے کا وقت ہوتا تو پھر اُستاد کے دسترخوان پر بھی حاضری دینی پڑتی، مجھے اس دسترخوان پر حاضری کا ایک موقع ملا اُستاد کی مہمان نوازی کا طریقہ یہ تھا کہ وہ خود ہی گوشت

"تمہاری بیوی نے تمہاری تنخواہ میں اضافے کی جو درخواست کی تھی، اُسے میری بیوی نے مسترد کر دیا ہے۔"

لیکاتے اور بالکل اصلی گھی استعمال کرتے تھے۔ جب میں اور قمر یورش آشیانے پر پہنچے تو اُستاد گوشت بھون چکے تھے اور ایک تسلے میں گھی ڈال کر چوری بنا رہے تھے۔ جب چوری تیار ہو چکی تو اُنہوں نے بڑی محبت سے آواز دی: "آجاؤ! شیر دے پُتروا، دسترخوان تیار ہے۔" میں یہ اچانک آواز سُن کر گھبرا گیا لیکن قمر یورش مسکراتے ہی رہے۔

کیا دیکھتا ہوں کہ چند ہی لمحوں میں نہ جانے کہاں کونے کھدروں سے نکل کر چوہے آنے شروع ہو گئے اور دیکھتے ہی دیکھتے کم از کم چار درجن چوہوں کا جمگھٹا ہو گیا، اُستاد نے اپنے ہاتھ سے چوریاں تسلے سے نکال نکال کر چوہوں کی طرف پھینکنا شروع کر دیا اور چوہے بڑے سکون سے لنچ تناول کرنے لگے، جب لنچ ختم ہوا تو چوہے آہستہ آہستہ واپس جانے شروع ہو گئے اور پھر وہاں ہم تین ہی رہ گئے۔

میں نے استاد سے گزارش کی: "اُستاد! یہ تو بڑا کمال کیا آپ نے، جب اللہ کی مخلوق سے آپ کو اتنا پیار ہے تو اللہ سے آپ کو نہ جانے کتنا پیار ہو گا۔"

اُستاد جھینپے جھینپے مسکرانے لگے: "یار میرا کیا کمال ہے؟ کمال تو ان بے زبان اور بے شعور جانوروں کا ہے جنہوں نے مجھے وہ تحفظ دیا ہے جو انسان بھی نہیں دے سکتے۔"

میں نے پوچھا: "کون سا تحفظ؟"

استاد نے اپنے پیچھے ریک میں لگی ہوئی کتابوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ ہیں، میری سب سے قیمتی متاع، چوہوں کی عادت ہے، کاغذ، کپڑے اور جو کچھ بھی مل جائے اُسے کتر ڈالنا، لیکن اُنہوں نے کبھی میری کتابوں کو چھیڑنا تو کجا کبھی اس طرف آنکھ اُٹھا کر بھی نہیں دیکھا، میں دروازہ بند کر کے باہر بھی چلا جاتا ہوں جب بھی یہ کتابوں کے پاس نہیں جاتے، لیکن انسانوں کو دیکھو، دوست ہوں یا دشمن دونوں میری کتابوں پر چھاپہ مارتے ہیں۔"

میں نے اُستاد سے پوچھا۔ "سنا ہے چوہوں کو ٹرینڈ کرنا مشکل ہے، آپ کے ذہن میں چوہوں کو سدھانے کا خیال کیسے آیا؟ وہ جو تمہارا لکھنے والا ہے ناں، ابن صفی، اس کی ایک کتاب میں حمید ایک چوہیا کو کسی دُھن پر ناچنے کی تربیت دیتا ہے اور وہ اس کے اشارے پر ناچتی ہے، میں نے یہ کتاب جیل میں پڑھی تھی، اس کتاب کا نام تو یاد نہیں، لیکن میں نے پہلے تو یہی سمجھا کہ یہ قصے کہانی کی بات ہے۔ چوہوں کو ٹرینڈ کرنا ممکن ہی نہیں۔ جب میں باہر آیا اور اس حجرے میں قدم رکھا تو چوہوں نے میرے سارے کپڑے ردی کر دیے تھے، کتابیں اور اخبارات تو پولیس والے پہلے ہی سمیٹ کر لے گئے تھے۔

پہلے تو میں نے سوچا کہ ان چوہوں کو بلی اور چوہے مار دواؤں سے بھگاؤں، میں نے سوچا کہ یار آخر یہ بھی تو کوئی خدا کی مخلوق ہیں، ان کو خدا کی دوسری مخلوق سے ختم کرانے کا کیا فائدہ؟ جب میں کسی کو زندگی نہیں دے سکتا تو اُسے مجھے مارنے کا کوئی حق نہیں۔ پھر مجھے ابن صفی کی وہ کتاب یاد آئی، میں نے فیصلہ کیا کہ "چلو ان چوہوں کو دوست بنا کر تو دیکھوں، وقت گزاری کے لیے ایک دلچسپ مشغلہ ثابت ہو گا، ان دنوں حکومت کے ڈر سے لوگ میرے پاس نہیں آتے تھے۔ پھر یہ ہوا کہ چوہوں سے میری دوستی ہو گئی اور ایک بار ان سے دوستی ہو گئی تو ہو گئی۔"

اُستاد یہ کہہ کر چپ ہو گئے۔